اعلانِ ملکیت، سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، فارم: ۴، رول: ۹

۱۔مقام اشاعت: نبی نگر، (جمال پور)، علی گڑھ

۲۔نوعیت اشاعت: سہ ماہی

۳۔ پرنٹر پبلشر: سید جلال الدین عمری

۴۔قومیت: ہندوستانی

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۵۔ ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری،

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۶۔ملکیت: ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر، (جمال پور)، علی گڑھ

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

۱۔مولانا سید جلال الدین عمری (صدر)
دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۲–ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری)
دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۳۔ڈاکٹر محمد رفعت (خازن)
شعبۂ فزکس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۴– جناب ٹی، عارف علی (رکن)
دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

۵۔جناب نصرت علی (رکن)
دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

۶–انجینیر سید سعادت اللہ حسینی (رکن)
10-3-297/303، ہارمنی اپارٹمنٹس، ہمایوں نگر، حیدرآباد–۲۸

۷۔مولانا محمد فاروق خاں (رکن)
دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

۸۔ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (رکن)
اقرا کالونی، نیوسر سید نگر علی گڑھ

۹۔ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی (رکن)
اسلام منزل، گلی نمبر ۸، اقرا کالونی، علی گڑھ

۱۰۔ پروفیسر سید مسعود احمد (رکن)
اقرا کالونی، نیوسر سید نگر، علی گڑھ

۱۱۔مولانا امین عثمانی (رکن)
F-161، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر

سید جلال الدین عمری

ترجمہ و تلخیص

مصادرِ سیرت پر ایک نظر

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری

مترجم: ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری

سیرتِ نبوی کا مطالعہ مختلف و متنوع مصادر کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ اُن میں بنیادی مصادر بھی ہیں اور تکمیلی مصادر بھی۔ بنیادی مصادر میں قرآن کریم، حدیث نبوی، کتبِ شمائل، کتبِ سیرت اور تاریخ کی عام کتابیں ہیں۔ تکمیلی مصادر میں وہ مصادر ہیں جو سیرت یا تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دوسرے موضوعات سے متعلق ہیں، لیکن مطالعۂ سیرت میں ان سے کسی نہ کسی حیثیت میں استفادہ کیا جاتا ہے، مثلاً کتبِ ادب، شعراء کے دواوین، کتب الرجال و التراجم، کتبِ جغرافیہ، کتبِ فقہ، کتبِ انساب اور معاجم وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعۂ سیرت میں ان کتب کا استیعاب ممکنہ حد تک مکمل ترین اور واضح صورت پیش کرتا ہے۔ یہاں ان مصادر کے سلسلہ میں ایک نظریہ پیش کرنے اور ان کی قدر و قیمت اور کیفیتِ استعمال پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

سب سے پہلی چیز، جس پر محقق کو اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہئے، وہ یہ ہے کہ یہ مصادر 'قوت'، 'ضعف'، 'اصالہ' اور 'وضع' کے اعتبار سے مختلف ہیں، لہٰذا انھیں ایک صف میں رکھا جاسکتا ہے نہ ان کے ساتھ برابری کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ کتبِ تاریخ و ادب کی کسی روایت کا قرآنی آیت یا حدیثِ صحیح سے معارضہ ممکن نہیں۔ [۱] لہٰذا ان مصادر کی جانچ اور ان کو اپنے صحیح مقام و مرتبہ پر رکھنا لازم ہے۔

قرآن مجید اور کتبِ تفسیر

قرآن مجید مصادرِ سیرت میں 'جبین' (پیشانی) کی حیثیت رکھتا ہے ۲؎۔ وہ اللہ کا کلام ہے، جو نبی کریم ﷺ پر لفظاً و معناً بہ طریقِ وحی نازل ہوا۔ یہ اسلامی عقیدہ اور شریعت پر مشتمل ہے۔ اس میں نُظم اسلامیہ کے بیان اور ان کی نشوونما سے متعلق بڑی اہمیت کے حامل احکام کی آیات وارد ہوئی ہیں، جو اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی ضوابط و قوانین پر روشنی ڈالتی ہیں، جن کی رُو سے نبی ﷺ نے اولین اسلامی ریاست کے نظم و نسق کا فریضہ انجام دیا۔

قرآن کریم میں عہد سیرت کے بعض واقعات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً بدر، احد، خندق، حنین۔ ۳؎ ان آیات سے اس وقت کے عام حالات پر روشنی پڑتی ہے جن میں غزوات اور اہم واقعات پیش آئے، بالخصوص قرآن میں نفسیاتی پہلوؤں اور کیفیات پر سچائی اور دقیقہ رسی کے ساتھ بیانات ملتے ہیں، جن کی واقفیت ہم کو دوسرے مصادر سے نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح قرآن حجاز میں مسلمانوں اور یہود کے درمیان فکری و مادی کش مکش اور تعارض کی بڑی سچی تصویر کشی کرتا ہے۔ ۴؎ اقوامِ ماضی کی جانب قرآن کے اشاروں نے مسلمانوں کے نظریۂ تاریخ کو وسعت بخشی، چنانچہ ان کے مطالعات میں انبیاء سابقین اور اقوامِ ماضیہ کی تاریخ بھی شامل ہے۔ قرآن کا جزیرہ نمائے عرب سے باہر کے واقعات، مثلاً روم و فارس کے درمیان کش مکش کے بیان نے مسلمان مؤرخوں کے یہاں عالمی تاریخ کے اہتمام کی بنیاد ڈالی۔ روم، فارس، ترک اور احباش وغیرہ کا بیان ان کی تاریخ کا حصّہ ہے۔ ۵؎

لیکن ہمیں یہ توقع نہیں کرنی چاہئے کہ قرآن کریم میں ان واقعات کی تفصیلات بیان کی گئی ہوں گی، کیوں کہ وہ تاریخ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ دستورِ زندگی ہے۔ پھر یہ کہ بہت سی آیات کے اسبابِ نزول اور زمانۂ نزول کی صحیح معرفت میں دشواری ہے، اس لیے کہ یا تو اس سلسلے میں روایات موجود نہیں ہیں، یا موجود روایات میں اختلاف پایا جاتا

ہے [۶]۔ جو تحقیق کی متقاضی ہیں، تاکہ سب سے پہلے روایات کی صحت کا پتہ لگایا جائے اور اگر پھر بھی تعارض باقی رہے تو اس کے ازالہ کی کوشش کی جائے۔

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم سے پوری طرح استفادہ بغیر کتبِ تفسیر سے رجوع کیے ہوئے نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً تفسیر بالمأثور میں تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر۔ اسی طرح قرآن اور علومِ قرآن سے متعلق دیگر کتب، مثلاً کتبِ ناسخ ومنسوخ اور کتبِ اسبابِ نزول وغیرہ کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

بعض معاصر مؤرخین ان تالیفات سے رجوع کرنے میں پہلوتہی کرتے ہیں اور اسالیب و معانی لغت کے فہم میں اپنے ذوق پر اعتماد کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ بڑی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض مستشرقین آیت **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنهُم** کی تفسیر میں یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نبی ﷺ کو **'النبيّ الأمّي'** قرار دیتا ہے، جب کہ یہ بات قرینِ عقل نہیں کہ نبی دین سے جاہل ہو۔'' [۷]

علمی پاکیزگی تقاضا کرتی ہے کہ معتبر کتبِ تفسیر سے رجوع کیا جائے اور قرآنی نصوص کو ان کے مراد اور صحیح معنی دیے جائیں۔ خواہشات کے مطابق کسی رائے یا نظریہ کو ثابت کرنے کی غرض سے آیات کے معانی میں باطل تاویل نہ کی جائے۔ نبی ﷺ نے اس سلسلہ میں تنبیہ فرمائی ہے: **من قال في القرآن برأيه أو بما لا يعلم فليتبوّأ مقعده من النار** [۸] ''جس شخص نے قرآن کے معاملے میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی یا نادانی میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''

کتبِ حدیث

سیرتِ مطہرہ کے مطالعہ میں جہاں تک حدیث کی اہمیت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ احادیثِ نبویہؐ عقائد اور اسلامی آداب کی وضاحت کرتی ہیں اور احکام پر مشتمل احادیث عباداتی اور تشریعی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں، مثلاً نماز ،روزہ، حج ، زکوۃ، سیاسی طریقِ کار، مالیاتی نظم ونسق اور تنظیمی امور وغیرہ۔ اسلام کا مکمل

تصور بغیر حدیث کی معرفت کے ممکن نہیں۔ اور ان تمام پہلوؤں کا، جن کا احاطہ احادیث کرتی ہیں، عہد نبیؐ اور مابعد ادوار کی ثقافتی، اجتماعی، اقتصادی اور انتظامی زندگی سے گہرا تعلق ہے، کیوں کہ مسلمانوں نے بڑی حد تک اپنی زندگیوں میں سنّت کی تطبیق کا التزام کیا ہے۔ اسی طرح بعض کتبِ حدیث نے مغازی و سیر کے خاص ابواب قائم کرنے کا اہتمام کیا ہے، مثلاً صحیح البخاری۔

اس میں شک نہیں کہ کتبِ حدیث میں سیرت سے متعلق جو مواد موجود ہے وہ کتبِ مغازی کی روایات اور عام کتبِ تاریخ کے مقابلہ میں زیادہ معتبر اور قابلِ ترجیح ہے۔ خاص طور پر جب وہ روایات حدیث کی صحیح کتب میں آئی ہوں، کیوں کہ وہ محدثین کی حدیث کی تمحیص اور سنداً و متناً اس کی تنقید میں ان تھک محنتوں کا ثمرہ ہوتی ہیں۔ اس قسم کی تنقیدی دقیقہ رسی اور کسوٹی پر پرکھنے کے بعد حدیث کے درجہ کو متعین کرنے کا عمل حدیث کے علاوہ دوسری کتبِ تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔ لیکن یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ کتبِ حدیث مغازی اور واقعاتِ سیرت کی تفصیلات بیان نہیں کرتیں، بلکہ انہی احادیث کو شامل کرتی ہیں جو شرطِ مؤلف کے تحت آتی ہیں۔ اس طرح وہ 'جو کچھ واقع ہوا' کی مکمل صورت پیش نہیں کرتیں۔ اس کی صورت کو مکمل کرنے کے لیے خاص کتبِ سیرت سے مدد لینی پڑتی ہے، ورنہ اس میں بڑا التباس پیدا ہوجاتا ہے۔ ۹

لیکن کتبِ حدیث میں ترتیبِ احادیث یا تو روایت کرنے والے صحابہ کے مطابق ہے، مثلاً کتبِ مسانید، جن میں عظیم ترین مسند امام احمد بن حنبل ہے، یا موضوعات کے اعتبار سے، مثلاً کتبِ صحاح ستّہ۔ ان دونوں ترتیبوں میں زمانہ کا لحاظ نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے محقق کے سامنے احادیث کی زمانی تعیین میں مشکل پیش آتی ہے، جب کہ کتبِ سیر و تاریخ، جو سنین کے اعتبار سے مرتب کی جاتی ہیں، ان میں اکثر اس نقص کو دور کردیا جاتا ہے۔ قدیم ترین جامع کتبِ حدیث میں مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی اور مسند احمد بن حنبل ہم تک پہنچی ہیں۔

کتبِ دلائل وخصائص

جہاں تک کتبِ دلائل کا تعلق ہے تو یہ معجزات اوران دلائل کے بیان پر مشتمل ہیں جو نبیؐ کی صداقت کی وضاحت کرتے ہیں۔اگر چہ کتبِ حدیث میں علاماتِ نبوت، آیاتِ نبوت ،دلایلِ نبوت اور خصایصِ رسولؐ جیسے موضوعات پر بھی ابواب قائم کیے گئے ہیں ،لیکن سب سے پہلے ان موضوعات پر ثقہ محدث محمد بن یوسف الفریابی (م ۲۱۲ھ) نے 'دلائل النبوۃ' میں لکھا ہے۔ان کے بعد علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۵ھ) نے 'آیات النبی' ، داوٗد بن علی الاصبہانی (م ۲۷۰ھ) نے 'اعلام النبوۃ'، ابن قتیبہ (م۲۷۶ھ) نے 'اعلام رسول اللہ' اورابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) نے 'اعلام النبوۃ' میں ان موضوعات پر تحریر کیا ہے۔علاوہ ازیں ان موضوعات پر لکھنے والوں میں ابو بکر بن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) ،ابوعبداللہ بن مندہ (م ۳۹۵ھ) ،ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی (م ۴۳۰ھ) ،جن کی ایک مختصر طبع ہوئی ہے،جس میں بہت سی ضعیف روایات ہیں اور قاضی عبد الجبار المعتزلی (م ۴۱۵ھ) (جن کی تصنیف 'تثبیت دلائل النبوۃ' طبع ہو چکی ہے) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔علاوہ ازیں ابو العباس جعفر بن محمد المستغفری (م۴۳۲ھ) کا نام بھی لایقِ ذکر ہے۔پھر ابو بکر احمد بن حسین البیہقی (م۴۵۸ھ) ،جن کی کتاب طبع ہوچکی ہے۔اس میں 'صحیح' اور 'حسن' احادیث بھی ہیں اور 'ضعیف' و 'موضوع' بھی۔حافظ الذہبی نے اس کتاب کا اچھے انداز میں ذکر کیا ہے[۱۰]۔اور ابو الحسن علی بن محمد الماوردی (م ۴۵۰ھ)، جن کی کتاب طبع ہو چکی ہے،اور ابو القاسم اسماعیل الاصفہانی (م ۵۳۵ھ) ، پھر عمر بن علی الملقّن (م ۸۰۴ھ) جن کی کتاب 'خصائص افضل المخلوقین' ہے اور آخر میں جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) جن کی 'الخصائص الکبریٰ' (مطبوعہ) سیرت، دلائل اور شمائل پر مشتمل ہے۔کتبِ خصائص بہت سی ہیں، جن میں سے صرف چند کا یہاں ذکر کیا ہے۔

کتبِ شمائل

کتبِ شمائل اخلاقِ نبیؐ اور آپؐ کے آداب وصفات پر مشتمل ہوتی ہیں۔اس

موضوع پر ابو البختری وہب بن وہب الأسدی (م ۲۰۰ھ) 'صفۃ النبی ' تالیف کی۔ پھر ابو الحسن علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۴ھ) کی کتاب 'صفۃ النبی '، داؤد بن علی الأصبہانی (م ۲۷۰ھ) کی 'صفۃ أخلاق النبی ' لایقِ ذکر ہیں۔ ابن الندیم نے بھی بعض کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اس موضوع پر حافظ ترمذی (م ۲۷۹ھ) کی 'الشمائل النبویۃ و الخصائص المصطفویۃ' بھی قابلِ ذکر ہے۔ ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد بن حیان الأصبہانی (م ۳۷۹ھ) کی تالیف 'أخلاق النبی و آدابہ' بھی طبع ہو چکی ہے۔ پھر ابو سعد عبد الملک بن محمد النیسابوری (م ۴۰۶ھ) کی 'شرف المصطفیٰ' اور ابو العباس المستغفری (م ۴۳۲ھ) کی 'شمائل النبی' بھی ہے۔ اس موضوع پر قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کی 'کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ' (مطبوعہ) ایک جامع کتاب ہے۔ اس کی احادیث کی حافظ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب 'مناہل الصفا فی تخریج أحادیث الشفا' میں تخریج کی ہے۔ یہ بھی مطبوعہ ہے۔ متعدد علماء نے اس کی شرح لکھی ہے۔ ان میں علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) کی 'فی شرح الشفا' (مطبوعہ) اور خفاجی (م ۱۰۶۹ھ) کی 'نسیم الریاض فی شرح الشفا للقاضی عیاض' لایقِ ذکر ہیں۔ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے اس موضوع پر 'شمائل الرسول' (مطبوعہ) تصنیف کی ہے۔

کتبِ سیرت

جہاں تک سیرت کی کتابوں کا تعلق ہے تو وہ صحت و دقّت میں قرآن و حدیث کے بعد آتی ہیں۔ جو چیز ان کتب کو عظیم علمی قدر و قیمت عطا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ بہت پہلے اور متعین طور پر تابعین کے ہاتھوں لکھی گئی ہیں، جب کہ صحابۂ کرامؓ موجود تھے اور انھوں نے سیرت نگاروں کی تحریروں کا انکار نہیں کیا۔ صحابۂ کرامؓ کو سیرت کا دقیق اور وسیع علم تھا، کیوں کہ انھوں نے واقعاتِ سیرت کے ساتھ زندگی گزاری تھی اور ان میں شریک رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کی محبت اور تعلق، آپؐ کی اتباع کی رغبت اور احکام میں آپؐ کی سنتوں کو اپنانے کی وجہ سے سیرت سے متعلق معلومات و اطلاعات ان کے درمیان عام تھیں اور ان کے مذاکرات کا حصّہ تھیں۔ صحابۂ کرامؓ میں بہت سے لوگ سیرت کے اہتمام کے لیے مشہور ہوئے۔ ان میں حضرت عبد اللہ بن

عباسؓ ،حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اورحضرت براء بن عازبؓ قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۲؎

یوں اولین مرحلہ میں سیرت نگاری کے آغاز کی وجہ سے بڑی حد تک اس میں تحریف، مبالغہ، اور ضیاع کا احتمال کم ہو گیا ہے۔

اوّلین سیرت نگاران

تابعین اور تبعِ تابعین میں سیرت نگاروں سے متعلق کئی جدید مطالعات سامنے آئے ہیں۔ ۱۳؎ لیکن ان میں ان کے احوال کو بیان کرنے میں جرح و تعدیل کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے اور نہ ان کی کتابوں کو اصطلاحِ حدیث کے قواعد اور حدیثی پہلو سے پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سیرت نگار درج ذیل ہیں:

— اَبان بن عثمان بن عفّان (م ۱۰۱–۱۰۵ھ): تابعین میں ثقہ محدث ہیں۔

— عروہ بن الزبیر بن العوّام (م ۹۴ھ): تابعین میں محدث ہیں۔ ان کا شمار مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں ہوتا ہے۔

— عامر بن شراحیل الشعبی (م ۱۰۳ھ): ثقہ محدث ہیں۔ ان کی کتاب 'المغازی' ہے۔

— عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۱۹ھ): ثقہ محدث ہیں۔

— محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ): ان کا شمار اپنے زمانہ کے بڑے محدثین میں ہوتا ہے۔ علمائِ جرح وتعدیل نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ وہ اولین شخص ہیں جنھوں نے سیاق کی تکمیل اور واقعات میں بغیر انقطاعِ اسانید کے اتصال پیدا کرنے کے لیے اسانید کو جمع کرنے کا طریقہ استعمال کیا۔ زہری پر تنقید کی گئی ہے کہ وہ اپنے متعدد شیوخ سے مروی احادیث کو، بغیر ہر ایک کی حدیث کو الگ الگ بیان کرنے کے، ایک کو دوسرے سے ملا دیتے ہیں، لیکن اس تنقید کو، جسے قاضی عیاضؒ نے قدماء کے بارے میں بیان کیا ہے، نوویؒ اور عراقیؒ جیسے بڑے علماء نے رد کر دیا ہے اور وضاحت کر دی ہے کہ یہ عمل جائز ہے، جب کہ اس کو بیان کر دیا گیا ہو

اور تمام راوی ثقہ ہوں۔

– شرحبیل بن سعد المدنی (م ۱۲۳ھ): معتبر شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کا انتقال تقریباً سو برس کی عمر میں ہوا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی کتابوں میں ان کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ ابن عیینہؒ کا قول ہے: ’’ان سے زیادہ مغازی اور اصحابِ بدر کا جاننے والا کوئی نہیں تھا۔‘‘ ۱۴؎

– یزید بن ہارون الأسدی المدنی (م ۱۳۰ھ): ثقہ تابعی ہیں۔ عروہ اور زہری پر اعتماد کرتے ہوئے انھوں نے مغازی پر لکھا ہے۔ ابن اسحق ان سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۵؎

– عبداللہ بن أبی بکر بن عمرو بن حزم (م ۱۳۵ھ): تابعین میں ثقہ محدث ہیں۔

– موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۰ھ): زہری کے تلامذہ میں ثقہ محدث ہیں۔ امام مالکؒ نے مغازی میں ان کی کتاب کی تعریف کی ہے اور کہا ہے: ’’وہ مغازی میں صحیح ترین کتاب ہے۔‘‘ ۱۶؎ یحییٰ بن معین نے کہا ہے: ’’موسیٰ بن عقبہ کی کتاب، جو زہری سے مستفاد ہے، ان کتب میں سب سے صحیح ہے۔‘‘ ۱۷؎

امام شافعیؒ نے کہا ہے: ’’مغازی میں موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے زیادہ کوئی کتاب صحیح نہیں ہے، اگرچہ یہ مختصر ہے اور اس میں بعض وہ چیزیں مذکور نہیں جو دوسری کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔‘‘ ۱۸؎

ذہبیؒ نے لکھا ہے: ’’جہاں تک مغازی موسیٰ بن عقبہ کا تعلق ہے، وہ ایک جلد میں ہے، جو بڑی نہیں ہے۔ ہم نے اسے سنا ہے۔ اس کا غالب حصہ ’صحیح‘ اور ’مرسل جید‘ ہے، لیکن مختصر ہے، اس میں اضافہ اور تتمہ کی ضرورت ہے۔‘‘ ۱۹؎ حافظ ابن حجرؒ مغازی موسیٰ بن عقبہ سے واقف ہوئے اور اجازت کے ذریعہ اس کی روایت حاصل کی۔ اسی طرح علی بن عثمان بن الصیرفی (م ۸۴۴ھ) نے حسن بن محمد بن القریشۃ سے اس کی سماعت کی۔ ۲۰؎

– سلیمان بن طرخان التیمی (م ۱۴۳ھ): تابعین میں ثقہ محدث ہیں۔ ان

کا شمار علمائے جرح وتعدیل میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان کی کتابِ سیرت سے واقف تھے۔ ۲۱؎ ان کی کتاب 'السیرۃ الصحیحۃ' کا مختصر حصہ ہی محفوظ رہ سکا ہے۔ ۲۲؎

–معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ): زہری کے تلامذہ میں سے ہیں۔ یہ بھی ثقہ محدث تھے: ''وہ علم کا ایسا خزانہ تھے جس میں صدق، طلب وتحقیق، تقویٰ و احتیاط ،جلالتِ شان اور حسنِ تصنیف سبھی کچھ تھا۔'' ۲۳؎

–محمد بن اسحق (م ۱۵۱ھ): زہری کے تلامذہ میں ہیں۔ وہ مغازی کے امام تھے، لیکن ان کی مرویات اصولِ حدیث کی رو سے 'صحیح' بلکہ 'حسن' کے درجہ تک نہیں پہنچتیں، کیوں کہ وہ 'مدلّس' ہیں۔ ان کی سیرت 'حسن' اور 'ضعیف' دونوں پر مشتمل ہے۔ ابن عدیؒ کہتے ہیں: ''میں نے ان کی احادیث کی تفتیش کی ہے، ان کے سلسلہ میں ضعف کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسروں کی طرح ہی کبھی کبھی غلطی کرتے ہیں، یا وہم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ثقہ اشخاص اور ائمہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

یہ شہادت صرف ابن عدیؒ کے مقام و مرتبہ اور توثیق میں ان کے تشدّد ہی کی وجہ سے عظیم اہمیت کی حامل نہیں ہے، بلکہ اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کا مدار روایات کی چھان پھٹک پر ہے، نہ کہ صرف قدیم ناقدین کے اقوال کے نقل پر، جو ابن اسحق پر قدریت، شیعیت، تدلیس اور تصحیف کے اتہام کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ یحییٰ بن سعید اموی نے ان پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے: ''ابن اسحق اسماء میں تصحیف سے کام لیتے ہیں، کیوں کہ انھیں انھوں نے دیوان سے لیا ہے۔'' ۲۴؎ فاطمہ زوجۂ عروہ بن زبیر سے روایت میں ان کے کذب کے احتمال کی بات بھی کہی جاتی ہے، لیکن ان کا کذب ثابت نہیں ہے، کیوں کہ ان پر اتہامات کی تردید امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر بڑے ایمّہ اور ناقدین نے کی ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ''اس میں شک نہیں کہ ابن اسحق نے انساب کے بیان میں طوالت سے کام لیا ہے اور لا طائل اشعار پیش کیے ہیں اور ایسے آثار بیان کیے ہیں جو صحت کے درجہ پر فائز نہیں، اسی کے ساتھ اکثر وہ صحیح چیزیں ان سے فوت ہو گئیں جو ان کے پاس موجود نہیں تھیں، لہٰذا ان کی کتاب کی تنقیح و تصحیح کی ضرورت ہے اور ان چیزوں

کوشامل کرنے کی ضرورت ہے جو ان سے فوت ہوگئی ہیں۔''۲۵؎ ذہبیؒ نے کہا ہے :''ابن اسحق مغازی میں حجت ہیں۔اوران کے منا کیر وعجائب ہیں۔''۲۶؎

حافظ ذہبیؒ نے حدیث میں ابن اسحٰق کے مرتبہ کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں: ''ان کو بلند مرتبہ حاصل ہے اور یہ ان کے لیے کافی ہے، بالخصوص سیرت میں۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو وہ، علاوہ ان کے جن میں وہ شاذ ہیں، صحت کے درجہ سے گری ہوئی ہیں، لہٰذا ان کو منکر سمجھا جاتا ہے۔''۲۷؎

حافظ عراقیؒ نے کہا ہے: ''مشہور تو یہ ہے کہ ابن اسحق کی حدیث قبول کی جائے گی، لیکن وہ مدلّس ہیں۔ اگر وہ تحدیث کی صراحت کرتے تو ان کی حدیث مقبول ہوتی۔''۲۸؎

حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں: ''میرے سامنے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابن اسحق حسن الحدیث اور صالح الحال، نیز صادق ہیں۔ جو روایت وہ تنہا کرتے ہیں وہ مجہول ہوتی ہے۔ان کے حافظہ میں کچھ کمی ہے، البتہ ایمّہ ان کی روایات قبول کرتے ہیں۔''۲۹؎ انھوں نے مزید کہا ہے: ''ابن اسحٰق علم کے خزانوں میں سے ہیں، مغازی و سیر میں نیک عالم ہیں، حدیث میں وہ ماہر نہیں ہیں، لہٰذا ان کی حدیث صحت کے مرتبہ سے گر گئی ہے، فی نفسہ وہ صادق اور اچھے ہیں۔''۳۰؎

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں: ''جس چیز میں ابن اسحٰق منفرد ہیں اگرچہ وہ صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتی، اگر وہ تحدیث کی صراحت کر دیتے ہیں تو 'حسن' کے درجہ پر ہیں۔۔۔ جو 'صحیح' اور 'حسن' میں فرق نہیں کرتا وہ ان کو 'صحیح' قرار دیتا ہے اور ہر وہ چیز جو حجت کے لیے مناسب ہے اس کو 'صحیح' کہتا ہے، یہ طریقہ ابن حبان اور ان سب کا ہے جن کا ذکر ان کے ساتھ آتا ہے۔''۳۱؎ اس کے معنٰی یہ نہیں کہ سیرت میں ان کتاب کی ساری مرویات کو صحیح قرار دے دیا جائے۔اس میں 'منکر' اور 'منقطع' روایات بھی ہیں، جیسا کہ ان کے بارے میں حافظ ذہبیؒ کا کہنا ہے: ''وہ صالح الحدیث ہیں۔ میرے نزدیک ان کا اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں کہ انھوں نے سیرت میں منکر اور منقطع چیزیں بھی بھر دی

ہیں۔''۳۲؎

حافظ ابن حجرؒ نے سیرتِ ابن ہشام کی منقطع احادیث کو ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ ضائع ہو گئی۔ ۳۳؎

ابن اسحق سے سیرت کی روایت کرنے والوں میں درج ذیل افراد ہیں: زیاد بن عبد اللہ البکائی (ان کے طریق سے ابن ہشام نے روایت کیا ہے۔)، بکر بن سلیمان (ان کے طریق سے خلیفہ بن خیاط نے تاریخ میں روایت کی ہے۔) اور سلمہ بن الفضل الأبرش (ان کے بارے میں طبری کہتے ہیں: ''خراسان سے بغداد تک کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ابن اسحق کا تعلق سلمہ بن الفضل سے تھا۔''۳۴؎

—یونس بن بکیر (م ۱۹۵ھ): ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ وہ سچے ہیں، لیکن غلطی کرتے ہیں۔ ۳۵؎ ذہبیؒ کی رائے میں وہ حسن الحدیث ہیں۔ مسلمؒ نے 'شواہد' میں ان سے لیا ہے، لیکن 'اصول' میں نہیں۔ بخاریؒ نے 'شواہد' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۳۶؎ جب کہ ابو داؤد السجستانی صراحت کرتے تھے کہ'' وہ حجت نہیں ہیں۔ وہ ابن اسحق کے کلام کو لے کر احادیث سے ملا دیتے تھے۔''۳۷؎

—ابراھیم بن سعد الزہری (م ۲۸۵ھ): ان کے طریق سے احمد بن محمد بن ایوب صاحب المغازی روایت کرتے ہیں۔ یہ وہ روایت ہے جسے حاکم النیسا پوری نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے۔ ۳۸؎ اور ہارون بن ابی عیسیٰ کہ ابن سعد نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ اور عبد اللہ بن ادریس الأودی: ان کے طریق سے ابن اسحق نے بھی لیا ہے۔ اور یحیی بن سعید الأموی، جنھوں نے ابن اسحق سے مغازی کا حصول سماع کے ذریعہ کیا اور اس میں اضافہ کیا۔ ۳۹؎ ان کی سیرت کی روایات میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن اسحق اپنی سیرت میں وقتاً فوقتاً تنقیح کیا کرتے تھے۔

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یونس بن بکیر ان روایات میں سب سے قدیم ہیں اور بکائی کے پاس وہ نسخہ تھا جس کو ابن اسحق نے منقح کیا تھا کہ بکائی کی روایت میں ابن اسحق نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو حبشہ کی ہجرتِ دوم کے مہاجرین میں ذکر کیا

ہے۔۴۰؎ جب کہ یونس بن بکیر کی روایت میں ان کو اولین مہاجرین میں شمار کیا گیا ہے۔۴۱؎ اسی طرح بکائی کی روایت میں ہے کہ نجاشی سے مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے گفتگو کی تھی، لیکن یونس بن بکیر کی روایت کے مطابق نجاشی سے گفتگو کرنے والے حضرت عثمان بن عفانؓ تھے اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے صرف مترجم کے فرائض انجام دیے تھے، لیکن ابن اسحق نے اس روایت کی صحت کی نفی کرتے ہوئے اس کی تعقیب کی ہے۔۴۲؎

سیرتِ ابن اسحق کی متعدد روایات میں پائے جانے والے اختلافات میں سے یہ بھی ہے، جس کا ذکر ابن اسحق نے یونس بن بکیر کی روایت میں کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی اَصحم کو —جس وقت آپؐ نے ملوکِ ارض کو خطوط بھیجے تھے— اسلام کی دعوت دیتے ہوئے خط بھیجا تھا۔۴۳؎ جب کہ بکائی کی روایت میں اَصحمہ کا ذکر نہیں ہے۔۴۴؎ اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ابن اسحق وقتاً فوقتاً اپنی سیرت کی تنقیح کیا کرتے تھے، کیوں کہ نجاشی اَصحمہ اسلام لے آیا تھا، لہٰذا اس دعوت کا مخاطب کوئی دوسرا نجاشی تھا، جیسا کہ امام مسلمؒ سے ثابت ہے۔۴۵؎

– ابومعشر السندی (م ۱۷۱ھ): مغازی کی وسیع معلومات رکھتے تھے، مگر حدیث میں ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔۴۶؎

– عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن حزم المدنی (م ۱۷۶ھ): اپنی کتاب 'المغازی' میں ثقہ محدث ہیں۔۴۷؎

– یحیٰ بن سعید الاُموی (م ۱۹۴ھ): ثقہ محدث ہیں۔انھوں نے بھی مغازی تصنیف کی تھی۔

– ولید بن مسلم الدمشقی (م ۱۹۶ھ): ثقہ محدث ہیں۔

– یونس بن بکیر (م ۱۹۹ھ): سیرتِ ابن اسحق کے راویوں میں ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کے مطابق مغازی پر ان کے اضافے بھی ہیں۔۴۸؎

– محمد بن عمر الواقدی (۲۰۷ھ): وہ اپنے علمی مواد کی کثرت کے باوجود

محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔۴۹؎ وہ اکثر ابن اسحق کی سیرت پر اضافے کرتے ہیں اور روایات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور ان میں ترجیح قائم کرتے ہیں۔ ۵۰؎ ان کے پاس ایک بڑی لائبریری تھی، جس میں کتابوں کے چھ سو تھیلے تھے، جن کو کرخ سے رصافہ تک منتقل کرنے کے لیے انھیں ایک سو بیس جانوروں کی ضرورت پڑی تھی۔ ۵۱؎ انھوں نے صرف کتابوں ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ واقعات کی حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لیے خود متعلقہ جگہوں پر گئے اور وہاں کا حال بیان کیا۔ عقیدہ اور شریعت کے معاملہ میں ان کی روایات دلیل کے طور پر پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں، لیکن واقعات کی تفصیل کے لیے مفید ہیں، خاص طور پر جب احادیثِ صحیحہ سے ان کا تعارض نہ ہو۔ حافظ ابن حجرؒ — جنھوں نے واقدی کو متروک قرار دیا ہے — کہتے ہیں: ''واقدی اگر اخبارِ صحیحہ اور ان کے علاوہ اہلِ مغازی کی مخالفت نہ کرتے ہوں تو ہمارے اصحاب کے نزدیک وہ مقبول ہیں۔'' ۵۲؎ حافظ ابن حجرؒ نے مغازی واقدی سے انتخاب کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ فی نفسہ اہلِ علم اور اہلِ مغازی کے نزدیک مصدر ہیں، بہ شرطے کہ اس میں ان کا کسی سے تعارض نہ ہو۔'' ۵۳؎

واقدی کی مغازی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ ایسے طرق سے روایات بیان تے ہیں جن میں مذکور رجال کا ذکر کتبِ علمِ رجال میں نہیں ملتا۔ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن کو ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے تو لگتا ہے کہ انھوں نے ان کا انتخاب کیا ہے، کیوں کہ ان روایات کے رجال کا ذکر کتبِ رجال میں ملتا ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ واقدی کی اسانید میں ایسے رجال ہیں جن کی حدیث میں کوئی روایت نہیں ہے، اسی لیے کتبِ رجال نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن کثیرؒ کا رجحان واقدی کے صدق کی طرف ہے ۔ وہ کہتے ہیں: ''واقدی کے پاس اکثر 'حسن' اضافے اور 'محرر' تاریخ ہے۔ وہ اس معاملہ میں بڑے ایمّہ میں سے ہیں، فی نفسہ سچے، لیکن بسیار گو ہیں۔'' ۵۵؎

–محمد بن عائد الدمشقی (م ۲۲۵ھ): ثقہ محدث ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے کتاب المغازی کا اکثر حصّہ ان سے سنا ہے۔ ۵۶؎ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان کی مغازی کے منتخب حصّہ کی قراءت کی ہے۔ ۵۷؎

–علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۵ھ): ابن عدیؒ نے ذکر کیا ہے کہ وہ حدیث میں قوی نہیں ہیں اور عسقلانیؒ نے لسان المیز ان میں (جو ضعیف راویوں کے تراجم کے لیے ہے) ان کا ذکر کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کے سلسلہ میں ضعف کی بات کہی ہے۔ لیکن ان کے 'ترجمہ' میں جو وارد ہوا ہے اس کے مطابق اخبار میں ان کی صداقت کا پتہ چلتا ہے۔ طبریؒ کہتے ہیں: ''وہ ایام الناس کے عالم اور اس میں صدوق تھے۔'' ۵۸؎ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے: ''وہ جو کچھ نقل کرتے ہیں اس میں تصدیق کردہ اور عالی الاسناد تھے۔'' ۵۹؎ المدائنی سیرت کے چند موضوعات کو اپنی کتاب میں نقل کرنے میں منفرد ہیں۔ انھوں نے سیرت کے اجتماعی اور اقتصادی پہلوؤں کا مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔ اس کا فقدان علمِ تاریخ اسلامی کا بڑا عظیم خسارہ سمجھا جاتا ہے۔

– صالح بن اسحق الجرمی النحوی (م ۲۲۵ھ): ''حدیث اور اخبار میں جلیل القدر تھے۔ سیرت میں ان کی کتاب بہت خوب ہے۔'' ۶۰؎

–اسماعیل بن جمیع (م ۲۲۷ھ): ان کی کتاب کا نام 'اخبار النبی و مغازیہ و سرایاہ' ہے ۶۱؎

– سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی (م ۲۴۹ھ): ثقہ محدث ہیں۔ انھوں نے بھی مغازی تصنیف کی ہے۔ ۶۲؎

– احمد بن حارث الخزّاز (م ۲۵۸ھ): ان کی کتاب 'مغازی النبی و سرایاہ وأزواجہ' کے نام سے ہے۔

–عبدالملک بن محمد الرقاشی البصری (م ۲۸۶ھ): ان کی کتاب کا نام 'المغازی' ہے۔ وہ سچے ہیں، لیکن غلطی کرتے ہیں۔

– ابراہیم بن اسماعیل العنبری الطوسی (م ۲۸۰ھ): ان کی کتاب بھی 'المغازی' کے نام سے ہے۔

– ابراہیم بن اسحٰق القاضی (۲۸۲ھ): ان کی کتاب بھی 'المغازی' کے نام سے ہے۔

کتبِ تراجم میں متعدّد تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ہے، جو علمِ سیرت سے شغف رکھتے تھے۔ مثلاً عکرمہ مولیٰ ابن عباس – جن کے بارے میں طحاوی کا کہنا ہے کہ "مغازی کے اخبار عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور زہری کے ارد گرد گھومتے ہیں۔"[۶۳] اور یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ المدنی (م ۱۲۸ھ)، داؤد بن الحسین الأموی (م ۱۳۵ھ) اور عبدالرحمن بن عبدالعزیز التحنیفی (م ۱۶۲ھ) اور محمد بن صالح بن دینار (م ۱۶۸ھ) اور عبد اللہ بن جعفر المخرمی المدنی (م ۱۷۰ھ)۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تالیفات کا ذکر تو نہیں ملتا، البتہ سوانح نگاروں نے سیرت پر ان کے اہتمام اور توجہ کا ذکر کیا ہے۔[۶۴]

یہ سیرت نگاری کی اوّلین شخصیتیں ہیں۔ ان میں سے اکثر کے بارے میں ناقدینِ حدیث کی توثیق ان کے ضبط و عدالت پر دلالت کرتی ہے۔ علماء نے یہی دونوں شرطیں راویوں کی توثیق کے لیے مقرر کی ہیں۔ اب اگر محدثین کے نزدیک یہ لوگ ثقہ ہیں تو یہ توثیق سیرت کی ان تحریروں کو عظیم علمی مرتبہ عطا کرتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیرتِ نبوی کو ضیاع، تحریف اور مبالغہ آمیزی سے محفوظ رکھا ہے کہ اس کے واسطے کھرے کھوٹے کی پرکھ رکھنے والے ایسے ناقدین مہیا کیے، جنھوں نے اس پر اپنی انتہائی توجہات صرف کیں اور مؤرخین وقصہ گو لوگوں کے قلم چلنے سے پہلے ہی اس کے اولین بنیادی اصول وضع کر دیے۔ یہ کتبِ سیرت کی وہ خصوصیت ہے جو تاریخ واخبار کی کتابوں کو نصیب نہیں۔ یہ صفت سیرت کو اس لیے حاصل ہوئی کہ اس کو امانت دار محدثین میسر آئے اور اس کے علماء نے سنداً و متناً نقدِ روایات کے واضح مناہج مرتب کیے اور ایسا اسلوب اپنایا جو سنجیدگی واخلاص سے پُر اور حشو ومبالغہ سے پاک ہے۔

دست یاب اہم مصادرِ سیرت

یہ سچ ہے کہ جن شخصیات کی کتبِ سیرت کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بیش تر مفقود ہیں، لیکن جو مصادر جو ہم تک پہنچے ہیں وہ سب کے سب انھی مذکورہ تصنیفات سے مستفاد ہیں اور ان میں کثرت سے ان کی اسانید کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعد کی کتابوں کی اساس وہی اولین تصنیفات ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، نہ صرف مواد کے معاملے میں، بلکہ اندازِ پیش کش میں بھی۔

سیرتِ نبوی کے ممتاز ترین مصادر، جو ہم تک پہنچے ہیں، درج ذیل ہیں:

سیرتِ ابن ہشام: یہ سیرتِ ابن اسحق کی 'تہذیب' ہے۔ ابن ہشام نے اس میں سے اکثر اسرائیلیات اور منحول اشعار کو حذف کر دیا ہے اور اس میں لغت و انساب سے متعلق معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب کو جمہور علماء کی جانب سے مقبولیت حاصل ہوئی اور بعد کی تالیفات اسی کی اساس پر وجود میں آئیں۔ حق یہ ہے کہ اس کی مغازی حیاتِ رسول ﷺ کی جو تصویر پیش کرتی ہیں وہ بڑی حد تک وہی تصویر ہے جس کو کتبِ حدیث میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات آپؐ کی سیرت کو بڑی حد تک توثیق عطا کرتی ہے۔ سیرتِ ابن ہشام کی شرح حافظ سہیلی (م ۵۸۱ھ) نے اپنی کتاب 'الروض الأنف' (مطبوعہ) میں پیش کی ہے۔

طبقات ابن سعد: ابنِ سعد (م ۲۳۰ھ) کی 'الطبقات الکبریٰ' کی اولین دو جلدیں سیرت کے لیے مخصوص ہیں۔ خطیب بغدادی اور عسقلانی کے مطابق ابن سعد ثقہ ہیں اور اپنی بہت سی روایات میں تحقیق کرتے ہیں، لیکن واقدی جیسے ضعیف راویوں سے بھی کثرت سے نقل کرتے ہیں، حتیٰ کہ ابن الندیم نے ان پر سرقہ کا الزام لگایا ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعد ایسے مؤلف ہیں جس کا اپنا منہج ہے۔ واقدی سے انھوں نے اسی طرح نقل کیا ہے جس طرح دوسرے شیوخ سے کیا ہے، جن میں نمایاں نام عفان بن مسلم، عبید اللہ بن موسیٰ اور فضل بن دکین ہیں اور ان تینوں کا شمار ثقہ محدثین میں ہوتا ہے۔[۶۵] حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ''ان (یعنی واقدی) کے کاتب نے ان سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ غیر کی ان سے روایت کے مقابلہ میں کسی قدر افضل ہے۔''[۶۶]

تاریخ خلیفہ بن خیاط: خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) ثقہ محدث ہیں۔ ان کا شمار امام بخاری کی صحیح میں ان کے شیوخ میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب (تاریخ خلیفہ بن خیاط) عام تاریخ کی کتاب ہے، جس کی ابتدا میں اولین درجہ میں ابنِ اسحق پر اعتماد کرتے ہوئے سیرت کے واقعات کو مختصراً بیان کیا گیا ہے۔ ۶۷؎

انساب الأشراف: احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (م ۲۷۹ھ) کی 'أنساب الأشراف' نسب پر مرتب کردہ عام تاریخ کی کتاب ہے۔ اس کے قسم اول کو بلاذری نے سیرت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ محدثین بلاذری کو ضعیف قرار دیتے ہیں، چنانچہ عسقلانی نے اپنی تالیف 'لسان المیزان' میں ضعفاء کے ضمن میں ان کا ذکر کیا ہے۔

تاریخ طبری: محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کی 'تاریخ الرسل و الملوک' کے ایک حصے کو سیرت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ طبری ثقہ ہیں۔ اوّلین درجہ میں انھوں نے ابن اسحق پر اعتماد کیا ہے۔ طبری کا منہج یہ ہے کہ وہ صحت وضعف کے اعتبار سے روایات کی تنقید کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ اسانید کے ساتھ ان کا ذکر کرنے کے بعد تحقیق وترجیح کی ذمہ داری قاری پر ڈال دیتے ہیں۔ ۶۸؎

الدرر فی اختصار المغازی و السیر: ابن عبد البر القرطبی (م ۴۶۳ھ) کا شمار اپنے زمانہ کے معروف محدثین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب 'الدرر فی اختصار المغازی والسیر' کی تالیف میں کتبِ حدیث ۶۹؎ کے ساتھ سیرتِ ابن اسحق، سیرتِ موسیٰ بن عقبہ اور تاریخ ابن أبی خیثمہ پر اعتماد کیا ہے اور صرف ایک جگہ واقدی سے نقل کرنے کی تصریح کی ہے ۷۰؎۔ لیکن انھوں نے اپنی مغازی میں ان سے روایت کرنے کی جانب اشارہ کیا ہے ۷۱؎۔ اور کتاب کی عام ترتیب میں ابن اسحق کی متابعت کی صراحت بھی کی ہے۔ ۷۲؎

جوامع السیرۃ: ابن حزم ظاہری (م ۴۵۶ھ) نے 'جوامع السیرۃ' کے نام سے کتاب تالیف کی ہے۔ انہوں نے اسانید چھوڑ دی ہیں اور مصادر کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے ۷۳؎۔ انھوں نے روایات کے درمیان ترجیح قائم کی ہے اور اپنی منتخب کردہ اشیاء کو

ثابت کیا ہے، نیز واقعات کی تاریخ میں تحقیق سے کام لیا ہے ۷۴۔ ان پر تلخیص کا غلبہ ہے، لہٰذا انھوں نے سیرت سے اشعار و قصص کو علیٰحدہ کرنے کا عمل بھی انجام دیا ہے۔ ۷۵

الکامل فی التاریخ: ابن الأثیر الجزری (م ۶۳۲ھ) ثقہ مؤرخ ہیں۔ ان کی کتاب 'الکامل فی التاریخ' عام تاریخ کی کتاب ہے، جس میں ایک حصے کو سیرت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔

عیون الأثر: ابن سیّد الناس (م ۷۳۴ھ) ثقہ محدث ہیں۔ ذہبیؒ اور ابن کثیرؒ نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب 'عیون الأثر فی فنون المغازی و السیر' میں ماقبل کتبِ مغازی سے نقل کرنے کے ساتھ کثرت سے کتبِ حدیث سے بھی نقل کیا ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں انہوں نے اپنے مصادر کا ذکر کر دیا ہے۔

زاد المعاد: ابن قیّم الجوزیۃ (م ۷۵۱ھ) کا شمار بھی اپنے زمانہ کے علماء اَعلام میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب 'زاد المعاد فی ھدی خیر العباد' شمائل، آداب، فقہ اور مغازی کا حسین گلدستہ ہے۔

السیرۃ النبویۃ: حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) بھی ایک ثقہ مؤلف ہیں۔ ان کو عمدہ قسم کی تنقیدی عقلیت اور بالخصوص محدثین کے قواعدِ نقد کے استعمال کا ملکہ حاصل ہے۔ اپنی کتاب 'السیرۃ النبویۃ' میں انھوں نے بعض روایات پر نقد بھی کیا ہے۔

البدایۃ والنھایۃ: ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کا شمار ثقہ اور محقق ایمّہ میں ہوتا ہے۔ ذہبیؒ، عسقلانیؒ اور ابن العماد الحنبلیؒ نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ ان کی کتاب 'البدایۃ والنھایۃ' ایک عام تاریخ ہے، جس کا ایک حصّہ سیرت کے لیے مخصوص ہے۔

امتاع الاسماع: مقریزی (م ۸۴۵ھ) بھی ثقہ ہیں۔ انھوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنی کتاب 'امتاع الاسماع' میں اسناد کو چھوڑ دیا ہے۔ سخاویؒ کا اس کتاب کے بارے میں کہنا ہے: ''اس میں بہت سی قابلِ تنقید باتیں ہیں۔'' ۷۶

المواھب اللدُنّیۃ: احمد بن محمد القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی کتاب کا نام

'المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ' ہے۔ محمد بن عبد الباقی الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے اس کی شرح کی ہے۔

السیرۃ الحلبیۃ: برہان الدین الحلبی (م ۸۴۱ھ) کی کتاب کا نام 'السیرۃ الحلبیۃ' ہے۔ اس میں اسرائیلی قصّے اور حشو و زوائد ہیں۔ ۷۷؎

سبل الھدی و الرشاد: محمد بن یوسف الدمشقی الشامی (م ۹۴۲ھ) نے سیرت پر ایک تالیف کی ہے، جس کا نام 'سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد' ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے تین سو سے زائد کتابوں سے انتخاب کیا ہے۔

یہ ہیں وہ اہم مصادرِ سیرت جو ہم تک پہنچے ہیں۔ ان کا درجہ قرآن کریم اور حدیثِ نبوی کے بعد ہے۔ لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ جو کچھ کتبِ سیرت میں مذکور ہے صحت کے اعتبار سے ان سب کی یکساں قدر و قیمت ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب صحیح ہوں۔ ان میں ضعیف بھی ہے اور صحیح بھی۔ سیرت کے مطالعہ کے وقت اوّلاً صحیح پر اعتماد کرنا چاہیے، پھر اس کی تکمیل کے لیے 'حسن' یا 'قریب الحسن' سے مدد لینی چاہیے۔ عقائد اور تشریعی امور میں 'ضعیف' کا سہارا نہیں لینا چاہیے، ہاں اخبار کے سلسلہ میں، مثلاً مکارمِ اخلاق پر آمادہ کرنے کے لیے یا عمرانیات، صناعات اور کاشت کاری وغیرہ کے بیان کے لیے ان کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ ان سے صرف اس وقت مدد لینی چاہیے جب قوی روایات موجود نہ ہوں۔

محدثین نے اسی منہج کی اتباع کی ہے۔ عبد الرحمن بن مہدی (م ۱۹۷ھ) کا قول ہے: ''جب ہم نبی ﷺ سے حلال، حرام اور احکام میں روایت کرتے ہیں تو اسانید میں شدّت اختیار کرتے ہیں اور رجال کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، لیکن جب فضائل اور ثواب و عقاب میں کچھ روایت کرتے ہیں تو اسانید میں نرمی برتتے ہیں اور رجال کے سلسلہ میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔'' ۷۸؎

سیرت میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس کی اسانید و متون کی محدثین کے قواعد کے مطابق تحقیق و تمحیص کی جائے۔ اس عمل میں اس بات سے مدد ملے گی کہ

تمام اہم مصادرِ سیرت نے اسانید کو بھی بیان کیا ہے اور سیرت کی روایت کرنے والوں میں ان محدثین کی اکثریت ہے جن کا ذکر کتبِ رجال نے کیا ہے اور ان کے احوال کی وضاحت کی ہے، نیز ان کے سلسلہ میں جرح وتعدیل کو بھی بیان کیا ہے۔

بعض لوگ اس منہج کو استعمال نہیں کر پاتے، اس لیے کہ اس میں خاصی جہد و مشقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ رجال کی معرفت اور ان کے احوال کی تفتیش وتحقیق ایک محنت طلب کام ہے، پھر علومِ حدیث میں ان کی عدم مہارت اور نقدِ تاریخی میں ان کی تطبیق کی مناسب صلاحیت کا نہ ہونا بھی اس کا سبب ہے۔ کچھ دوسرے لوگ اس منہج سے تغافل برتتے ہیں، اس کی حق تلفی کرتے، اس کی افادیت کی ناقدری کرتے اور اس کی قدر و قیمت میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اس پر مختلف قسم کے الزامات عائد کرتے ہیں۔

بلا شبہ یہ تمام لوگ اس کی حقیقت سے نا بلد ہیں۔ اسد رستم نے، جو ایک غیر متعصب عیسائی ہے، نقد میں مناہج محدثین کی قدر و قیمت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب 'مصطلح التاریخ' میں اس میدان میں محدثین کی سبقت اور ابتکار و جدّت کو سراہا ہے۔ مطالعۂ سیرت، بلکہ عام تاریخِ اسلامی کے مطالعہ میں بھی تنقید کے حدیثی منہج کو ہی اپنایا جانا چاہئے۔ سیرت کا تعلق چوں کہ عقیدہ، شریعت اور شخصیت کی تشکیل سے ہے، لہٰذا اس میدان میں تحقیق وتدقیق اہم اور اولیٰ ہے، ساتھ ہی عہدِ خلفائے راشدین اور اموی وعباسی ادوار کی تاریخ کے مطالعہ میں بھی اس منہج کے استعمال کی شدید ضرورت ہے، کیوں کہ اول تو اس پر تاریخی روایات پیش کرنے والوں کی خواہشات کے اثرات کا غلبہ ہے، دوسرے حق و باطل آپس میں اس قدر خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ان میں تمیز کرنا ماہرینِ رجال، علمائِ جرح وتعدیل اور رجال کے رجحانات وعقائد کی معرفت رکھنے والوں ہی کا کام ہے۔ ان کے سوا دوسروں کے لیے انتہائی مشکل امر ہے۔ تاریخ کی کتابیں ایسے لوگوں کے بیانات واقتباسات سے پُر ہیں جن کے اپنے مختلف سیاسی و مذہبی رجحانات ونظریات ہیں، چنانچہ اگر مثال کے طور پر عہد اموی کی صورت گری صرف ابومخنف کی مرویات کی بنا پر کی جائے تو وہ عوانۃ بن الحکم یا ابوالیقظان النسابۃ کی مرویات کی بنا پر تشکیل دی جانے والی صورت سے قطعاً مختلف ہو گی۔

دیگر تکمیلی مصادر

مصادرِ تکمیلیہ وہ مصادر ہیں جن کا درجہ قرآن کریم، حدیثِ نبوی اور معتبر واہم کتبِ سیرت کے بعد آتا ہے۔ یہ تصویر کے نقوش کی تکمیل کرتے ہیں اور بعض ان خالی جگہوں کو پُر کرنے کا کام انجام دیتے ہیں جو مصادر اصلیہ کی شرط پوری کرنے کے بعد بھی رہ جاتی ہیں۔

کتبِ ادب عہدِ سیرت میں ثقافتی زندگی، معیشت کے معیار، لباس و طعام، عادات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ بالخصوص شاعری اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے اس وقت کی عقلی اور اجتماعی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں معرکوں اور شجاعت و جواں مردی کے واقعات کی منظر کشی بھی ملتی ہے۔ بعض واقعاتِ سیرت کی تصویر کشی میں حضرت حسانؓ بن ثابت، حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے کردار کی جانب اشارہ کافی ہے۔ لیکن ملحوظ خاطر رہے کہ کتبِ ادب کی توجہ واقعاتِ زندگی کو ترتیب وار پیش کرنے سے زیادہ 'شاذ' اور 'غریب' پر رہتی ہے، لہٰذا ان کتب کے عام مشتملات کی نزاکت و سنگینی کو بہر حال پیشِ نظر رکھا جانا چاہیئے۔

کتبِ معرفتِ صحابہ اس نسل کے تذکروں پر مشتمل ہوتی ہیں جو عہدِ سیرت میں موجود تھی۔ یہ کتب معتبر تاریخی معلومات پیش کرتی ہیں، اگر چہ یہ متفرق اور قلیل ہیں۔ بعض کتب میں انساب کا ذکر ہے اور بعض میں اخبار کا۔ باقی کتبِ تراجم و رجال (مع کتبِ معرفتِ صحابہؓ) کتبِ سیرت کے رجالِ اسانید کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔

کتبِ جغرافیہ جزیرۂ عرب کے نشیب و فراز پر روشنی ڈالتی ہیں جہاں واقعات سیرت پیش آئے۔ اسی طرح یہ کتب معیارِ معیشت اور زراعتی پیداوار کی وضاحتیں کرتی ہیں، نیز مقامات کے درمیان کی مسافتوں کی تعیین کرتی اور قبائل اور خانوادوں کی تقسیم کی وضاحت کرتی ہیں۔

یوں مصادرِ تکمیلیہ سیرت کے اطراف و جوانب کی تکمیل کرتی اور اس کی تفصیلات و اوصاف کو نمایاں کرتی ہیں۔

یوروپی فکر نے طبیعتِ تاریخ اور اس کے مناہج نقد و تشریح کے موضوع پر مطالعات کا بڑا ذخیرہ پیش کیا ہے، جس میں سے بعض کے عربی تراجم بھی ہوئے ہیں ۷۹ ۔ لیکن یہ تمام مطالعات مغربی نقطۂ نظر کی عکّاس ہیں اور ان کا منبع یورپی فلسفۂ حیات، یورپی تاریخ کا مزاج اور اس کے مطالعہ کے مسائل ہیں اور اس کی تطبیقات اسی (تاریخ) سے ماخوذ ہیں۔ ہم کو اسی کے معیار کے مطابق ایسے مطالعات کی ضرورت ہے جن کا منبع ہمارا عقیدہ ہو اور جو ہماری تاریخ سے ہم آہنگ ہوں اور انھیں مغربی نقطۂ نظر سے نہ پیش کیا گیا ہو۔

یہاں یہ اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ بعض عرب مسلم اسکالرز نے اس موضوع پر ابتدائی مطالعات رقم کیے ہیں ۸۰ ۔ اور اس حوالہ سے مفید تصورات پیش کیے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس میدان میں مسلسل مشترکہ کوششیں بحث و تحقیق کے کامل منہج اور تاریخ اسلامی کی تعبیر و تشریح کے بارے میں صحیح اسلامی سرچشموں سے ایک جامع نظریہ تک پہنچائیں گی۔

حواشی و مراجع:

۱۔ ابوریہ نے اپنی کتاب 'أضواء علی السنۃ المحمدیۃ' میں یہ غلطی کی ہے۔ مصطفی السباعی نے اپنی کتاب 'السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی' میں اس پر نقد کیا ہے۔ (ملاحظہ کیجیے ص ۲۹۳–۲۹۴) جواد علی نے اسپرنگر اور کایتانی (مستشرقین) پر نقد کیا ہے کہ انھوں نے مطالعاتِ سیرت میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے 'شاذ'، 'غریب' اور 'ضعیف' نیز روایات متاخرہ پر اعتماد کیا ہے، اور ان کو معتبر روایات پر مقدم رکھا ہے۔ (دیکھئے جواد علی، تاریخ العرب فی الاسلام، السیرۃ النبویۃ، ص ۹–۱۱)

۲۔ محمد عزت دروزہ نے اپنی کتاب 'سیرۃ الرسول' میں سیرت سے متعلق آیاتِ قرآنیہ کا تجزیہ کیا ہے۔

۳۔ غزوۂ بدر کی تفصیلات سورۂ انفال میں، غزوۂ احد کی تفصیلات سورۂ آل عمران میں، غزوۂ خندق کی تفصیلات سورۂ احزاب میں اور غزوۂ حنین کی تفصیلات سورۂ توبہ میں ملتی ہیں۔ مزید برآں دوسری سورتوں میں بھی ان غزوات کی جانب اشارے ملتے ہیں۔

۴۔ فکری کش مکش کے بارے میں سورۂ بقرۃ اور مادی کش مکش کے بارے میں سورۂ حشر اور سورۂ احزاب دیکھیں۔

۵۔ الدوری، نشأۃ علم التاریخ عند العرب، ص ۱۵۔ ۱۸

۶۔ صالح العلی، محاضرات فی تاریخ العرب قبل الإسلام (فصل: المصادر)

۷۔ صبحی صالح، علوم الحدیث، ص ۱۵۔۱۶ ۸۔ مقدمہ تفسیر ابن کثیر

۹۔ صحیحین میں ہے کہ نبی ﷺ نے بنی المصطلق پر اچانک بغیر انہیں متنبہ کیے حملہ کر دیا۔ یہ بات آپؐ کے منہج، جو آیتِ کریمہ وَ إمّا تَخافَنَّ مِن قَومٍ خِیانَۃً فَانبِذ إلَیہِم عَلٰی سَوَاءٍ پر مبنی تھا، کے مخالف ہے، جب کہ کتبِ سیرت وضاحت کرتی ہیں کہ آپؐ نے بنی المصطلق کو حملہ کرنے سے پہلے متنبہ کر دیا تھا۔ اب اگر ہم صحیحین کی روایت پر اکتفا کرتے ہوئے دشمن کو متنبہ کرنے کے سلسلہ میں اسلام کے حکم کی تحقیق نہ کریں تو بڑی غلطی اور التباس کا شکار ہو جائیں گے۔

۱۰۔ سیر أعلام النبلاء، ۶/۱۱۶ ۱۱۔ دیکھئے: الفہرست، ص ۲۷۲

۱۲۔ ابن سعد، ۵/۲۹۲، مسند احمد ۲/۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۴، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۲۲

۱۳۔ تاریخ سیرت نگاری کے جامع مطالعات کے لیے ملاحظہ کیجئے: ہاروٹز: المغازی الاولی و مؤلفوھا، مارگولیتھ: دراسات عن المؤرخین العرب، عبدالعزیز الدوری: نشأۃ علم التاریخ عند العرب اور صالح العلی کی محاضرات فی تاریخ العرب قبل الإسلام کی خاص فصل، جواد علی: تاریخ العرب قبل الإسلام کی فصل السیرۃ النبویۃ، سیدہ اسماعیل کاشف: دراسۃ فی مصادر التاریخ الإسلامی، مارسدن جونس: مغازی الواقدی پر مقدمہ، حسین نصار: نشأۃ التدوین التاریخی عند العرب۔ اس کے علاوہ بعض اصحابِ

مغازی پر خصوصی تحقیقی مطالعات بھی سامنے آئے ہیں۔ مثلاً الدوری کا مقالہ: دراسۃ فی سیرۃ النبی ﷺ ومؤلفھا ابن اسحق، انگریزی زبان میں FUCK کا محمد بن اسحق پر مقالہ، خالد العسلی کا علی المدائنی پر مقالہ اور اکرم عمری کا موسیٰ بن عقبہ کے بارے میں مقالہ۔ بقیہ اصحابِ مغازی پر تحقیقی کام کی ضرورت ہنوز باقی ہے۔

۱۴۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۴/ ۳۲۱–۳۲۲ ۱۵۔ حوالۂ سابق، ۹/ ۲۲۵

۱۶۔ ذہبی، سیر أعلام النبلاء، ۶/ ۱۱۵ ۱۷۔ حوالۂ سابق ۶/ ۱۱۷

۱۸۔ خطیب، الجامع لأخلاق الراوی وآداب الجامع، ص ۲۲۵

۱۹۔ سیر أعلام النبلاء، ۶/ ۱۱۵–۱۱۶ ۲۰۔ ابن فہد، معجم الشیوخ، ص ۱۷۵

۲۱۔ ابن حجر، فتح الباری: ۱/ ۲۳، ۷/ ۴۹۷، ۸/ ۱۱۷

۲۲۔ اس کو وان کریمر نے ہندوستان سے کتاب المغازی کے آخر میں شائع کیا ہے۔ یہ حصہ ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۳۔ سیر أعلام النبلاء، ۷/ ۶ ۲۴۔ عسکری، تصحیفات المحدثین، ۱/ ۲۶

۲۵۔ حوالۂ سابق، ۱/ ۱۱۶ ۲۶۔ علی الغفار، العلو، ص ۳۹

۲۷۔ سیر أعلام النبلاء، ۷/ ۱۴۱ ۲۸۔ عراقی، طرح التثریب شرح التقریب، ۸/ ۷۲

۲۹۔ ذہبی، میزان الاعتدال، ۳/ ۴۷۵ ۳۰۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۱۷۳

۳۱۔ فتح الباری، ۱۱/ ۱۶۳ ۳۲۔ میزان الاعتدال، ۱۱/ ۴۶۹

۳۳۔ عنوان المجد، ۱/ ق ۵۱ ۳۴۔ تہذیب التہذیب، ۴/ ۱۵۴

۳۵۔ ابن حجر، تقریب التہذیب، ۲/ ۳۸۴۔ اس میں کلمہ 'صدوق' ساقط ہو گیا ہے، لیکن پاکستانی ایڈیشن میں موجود ہے، دیکھئے ص ۳۴۰

۳۶۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/ ۴۳۴–۴۳۵ ۳۷۔ میزان الاعتدال، ۴/ ۴۷۸

۳۸۔ حاکم المستدرک، ۳/ ۱۲۸ ۳۹۔ خطیب، تاریخ بغداد، ۱۴/ ۱۳۳

۴۰۔ سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۳۵۸

۴۱۔ ابن اسحٰق، السیر والمغازی، تحقیق: سہیل زکار، ص ۱۷۶، ۲۲۸

۴۲۔ حوالۂ سابق، ص ۲۱۸ ۴۳۔ سیرتِ ابن اسحٰق، تحقیق: محمد حمید اللہ، ص ۲۱۰

۴۴۔ سیرتِ ابن ہشام، ۴/ ۲۷۹ ۴۵۔ صحیح مسلم، ۳/ ۱۷۹۷

۴۶۔ رجوع کیجئے: ابن حبان، المجروحین، ۳/ ۶۰، التاریخ الکبیر للبخاری، ۸/ ۱۱۴، تاریخ بغداد، ۱۳/ ۲۷۴، سیر أعلام النبلاء، ۷/ ۳۵۴–۴۴۰، تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۴۲۰–۴۲۱

۴۷۔ ابن الندیم، الفہرست، ص ۲۸۲ ۴۸۔ ابن حجر، الاصابۃ، ۱/ ۲۴۲

۴۹۔ تاریخ بغداد، ۳/ ۲۱

۵۰۔ نشأۃ علم التاریخ عند العرب، ص ۳۱، مارسدن جونسن، مقدمۃ مغازی الواقدی، ص ۳۴

۵۱۔ تاریخ بغداد، ۳/ ۵–۶ ۵۲۔ ابن حجر، التلخیص الحبیر، ۲/ ۲۹۱

۵۳۔ ابن حجر، منتقی من مغازی الواقدی، ق ۸۳ ب

۵۴۔ سیر أعلام النبلاء، ۹/ ۴۵۴–۴۶۹

۵۵۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۳/ ۲۳۴ ۵۶۔ سیر أعلام النبلاء، ۱۱/ ۶

۵۷۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۴/ ۲۵۳ ۵۸۔ حوالۂ سابق، ۴/ ۲۵۳

۵۹۔ سیر أعلام النبلاء، ۱۰/ ۴۰۰–۴۰۱ ۶۰۔ تاریخ بغداد، ۹/ ۳۱۴

۶۱۔ الفہرست، ص ۱۱۲ ۶۲۔ سیر أعلام النبلاء، ۹/ ۱۳۹

۶۳۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۳/ ۳۱۲

۶۴۔ ان شخصیات کے تراجم کے لیے دیکھئے: الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم، ۲/ ۲۶۰، تاریخ بغداد، ۱۲/ ۲۳۰ تہذیب التہذیب، ۸/ ۶۳–۶۷، ۵/ ۱۷۲، ۶/ ۳۸۸، ۱۱/ ۲۹۳ اور تاریخ التراث العربی ۲/ ۴۵۶

۶۵۔ اکرم ضیاء العمری، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ، ص ۵۶۔۵۷